جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے

تجزیہ یادگار مرثیہ

ڈاکٹر عبدالرحمن عبد، اسٹیٹن آئی لینڈ

انیس سے جو نسبت تقی نے جوڑی ہے
تقی کا نام رہے گا تقی کے بعد بھی اب

ڈاکٹر سید تقی عابدی صاحب کو میں لگ بھگ 13 برس سے جانتا ہوں۔ وہ میرے ہم پیشہ اور ہم ذوق ہونے کے ساتھ ساتھ میرے گہرے دوست اور رفیق کار بھی ہیں۔ ایک عرصہ تک مجھے ان کی مسابقگی کا اعزاز بھی رہا ہے جب وہ نیویارک میں مقیم تھے اور اس حوالے سے ہماری فیملیاں بھی ایک دوسرے سے خوب متعارف ہیں۔ میں ایک مدت سے ان کی ادبی سرگرمیوں اور ان کے ادبی سفر کی رفتار سے متاثر رہا ہوں مگر تجزیہ یادگار انیس مرثیہ جیسے شاہکار کے بعد ان کی ادبی پرواز ان کو رفعتوں کی اس سطح پرلے گئی ہے کہ مجھے بے ساختہ کہنا پڑ رہا ہے کہ خدا نے انھیں نہایت بلند اور مخصوص عنایات سے نوازا ہے۔

عمر شوق کی رہتی ہے دنیا منتظر صدیوں
رہتا ہے بہت غیبال، مگر ہوتے ہیں کم پیدا

ڈاکٹر صاحب کے اس کارنامے نے اردو ادب کو ایک نئی طرز اور ایک نئی راہ دکھائی ہے۔ میں نے جدت کے حوالے سے کئی اہل قلم حضرات کی نگارشات کا مطالعہ کیا ہے مگر میری نظر میں اگر کوئی سوچ یا کوئی کام صحیح معنوں میں جدت کے زمرے میں شامل کئے جانے کے لائق ہے تو وہ کام ڈاکٹر تقی عابدی صاحب کا یہ شاہکار تجزیہ یادگار مرثیہ ہے۔ موصوف نے میر انیس کے ایک مرثیے کو موضوع بنا کر ادبی دنیا کو اتنا جامع اور عظیم علمی ذخیرہ مہیا کر دیا ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔

تحقیق کی دنیا میں اکثر یوں ہوتا آیا ہے کہ آپ کسی تحریر یا کسی کتاب یا کسی شخصیت کے بارے میں تحقیق کرنے نکلیں تو آپ اس کے بارے میں موجودہ مضامین اور آراء کا مطالعہ کرکے اور مواد جمع کر کے اپنے الفاظ میں اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں اور پھر اس بنیاد پر اپنی ایک رائے قائم کر کے اپنے آپ کو محقق تصور کرنے لگتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے اس شاہکار کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے 197 بند کے اس مرثیہ کو حرف حرف چھانا ہے ایک ماہر سرجیکل Pathologist نے کس طرح اس مشہور زمانہ مرثیہ کی AUTOPRY کی ہے اس کی رگ رگ اور ریشے ریشے کو الگ الگ کر کے انہیں ہر پہلو سے دیکھا ہے۔ ان کے اجزاء واقسام کو پرکھا ہے اور الفاظ کی گہرائی کی نشاندہی کی ہے۔ تین چار برس کی اس محنت کے دوران یہ مرثیہ انھیں یاد ہو گیا ہے یعنی اب وہ اس مرثیے کے حافظ بھی ہیں۔

انہوں نے میر انیس کے اس مرثیہ "جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے" کے ہر مصرعہ اور ہر بند کو بلاغت، وضاحت، تشبیہات، مجاز مرسل، کنایات، صنائع لفظی، تمثیلات، محاورات، صوتی کیفیات، اسلوب، حسن بیان، ترتیب و تسلسل، حسن بندش، الفاظ کی روانی، صفائی، مدگی، شگفتگی وغیرہ کی تقسیم کے ساتھ ساتھ اس شاہکار انیس کی منظر نگاری، واقعہ نگاری، تمثیل نگاری، الیہ بیانی، جدت نگاری اور سماجی عناصر کا بھی تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ انہوں نے اس مرثیے کے ہر بند کے بارے میں ہمیں بتایا ہے کہ اس میں حروف کی تعداد کیا ہے کتنے الفاظ یا حروف اردو عربی یا فارسی زبان میں ہیں اس بند میں کیا تراکیب، استعارات، محاورے، کنایات وغیرہ استعمال ہوئے ہیں۔ ہر شعر میں کتنی اضافتیں استعمال ہوئی ہیں کیا صنعت کارفرما ہے اور میر انیس نے کیا اسلوب اور کیا نئی بندشیں پیش کی ہیں۔ ہر کام وقت طلب، محنت طلب اور تحقیق طلب تھا جو ڈاکٹر صاحب نے اس انداز سے سرانجام دیا جیسے ان کے لئے یہ نہایت فطری اور سہل ہو۔

804 صفحات پر مشتمل دو کلو گرام وزنی سخت جلد میں ملبوس اس ضخیم کتاب میں پندرہ باب ہیں۔ ان میں میر انیس کے بارے میں اور میر انیس کے اس شاہکار مرثیے کے بارے میں تمام تر تفصیل موجود ہے۔ عابدی صاحب نے بڑی جستجو کے بعد اس مرثیے کے تراجم کو بھی اس کتاب میں جمع کیا ہے۔ پہلے تین بندوں کا منظوم عربی ترجمہ سید العلماء جناب مولانا سید علی نقی کے قلم سے ہے جو لگ بھگ ساٹھ برس پہلے کا ہے اور معدوم ہو چکا تھا انگریزی منظوم ترجمہ ایک انگلش نژاد دانشور اور معلم اردو جناب ڈیوڈ میتھوز کے قلم سے ہے جو ماضی قریب میں BATTLE OF KARBALA نامی کتاب کی صورت میں چھپا تھا۔ ان دو توضیحی تراجم کی شمولیت اس شاہکار کو اور بھی جامع بنا رہی ہے۔ کتاب میں اس یادگار مرثیہ کے متعلقات، میر انیس کے بارے میں شاعر شعر وادب کی رائے، مرثیہ پر اعتراضات اور اس یادگار مرثیے کی سحر بیانی وغیرہ کے موضوعات نہایت احسن طریقے سے نبھائے گئے ہیں۔ موصوف نے مرثیے کے تجزیاتی نمونے اور تجزیے کا طریقہ کار بھی مفصل طریقے سے قلمبند کیا ہے جس سے صنف کے بارے میں قاری کو مکمل معلومات میسر آتی ہیں۔

دانائی کا جہان ہے روشن کتاب سے
بنتا ہے ذہن علم کا مخزن کتاب سے

ڈاکٹر تقی عابدی صاحب کی اس تخلیق کے مطالعے سے اردو ادب کے طالب علم پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رثائی ادب یعنی صنف مرثیہ گوئی اردو ادب کا اہم اور وسیع الدامن جزو ہے۔ مرثیے کے اندر تغزل بھی ہے اور قصیدہ گوئی بھی۔ یہ محض آہ و زاری، بین اور اظہار غم و اندوہ کا نام نہیں۔ اردو ادب سے اگر رثائی ادب کو نکال دیا جائے یا اسے میر انیس جیسے عظیم شعراء کی کلیات سے محروم کر دیا جائے تو یہ ادب نامکمل اور کھوکھلا ہو کر رہ جائے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے اردو ادب پر اور اردو کے اس دور کے طلباء پر احسان کیا ہے کہ انہوں نے رثائی ادب کے ایک شاہکار کو نہایت عالمانہ انداز میں متعارف کرایا ہے۔

پروفیسر اکبر حیدری کاشمیری صاحب نے اس کتاب کے مقدمے میں لکھا ہے کہ میں بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ ڈاکٹر عابدی صاحب ادبیات اردو کے ایک اعلیٰ شاعر، نثر نگار، ممتاز ناقد اور بہت اچھے محقق ہیں۔ انہیں علم عروض کے علاوہ علم بیان و معانی میں بھی خاصی دسترس حاصل ہے۔ فطری علمی استعداد اور اللہ کی دین اسی کو کہتے ہیں۔

مجھے پروفیسر صاحب کی رائے سے سو فیصد اتفاق ہے۔ میری نظر میں ڈاکٹر صاحب کے اس کارنامے نے میر انیس کی ادبی شخصیت کو ہی نہیں خود رثائی ادب یعنی مرثیہ گوئی کو از سر نو حیات بخشی ہے۔ اس لحاظ سے میں انہیں محسن المرثیہ سمجھتا ہوں۔

ساتھ ہی ساتھ میں انھیں اس شاہکار کی تخلیق پہ مبارک باد پیش کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ وہ حسب ارادہ اس شاہکار کا چھوٹے سائز کا ایڈیشن بھی شائع کریں گے تاکہ یہ شاہکار ایک عام قاری تک پہنچ سکے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر تقی عابدی کی شاہکار تصنیف "مرثیہ یادگار انیس" کی تقریب رونمائی پر نیویارک میں پڑھی گئی

خراج تحسین

کیونکر جواب ہو گا کسی انتخاب کا
کرتی میں جوش ہے زور شباب کا
ایسی لکھی کتاب کہ دھوم چار سو
چاروں طرف ہے ذکر انہی کی کتاب کا

انیس پر جو کوئی خاص کام کرتے ہیں
وہی تو فیض سخن عام کرتے ہیں
یہ دیکھ کر کہ ادب کو دیا ہے اس نے وقار
جو اہل فن و ادب ہیں سلام کرتے ہیں

(تسنیم فروغ)

☆☆☆☆☆☆☆☆

اے تقی اے حق رس و کن
تو نے زندہ رکھا صدیوں کا چلن
کر دکھایا تو نے تھا وہ کمال
چاہیے جس کیلئے اک انجمن
تو نے روشن کر دیا اس نام کو
جس نے بخشی عظمت اردو کو بھی
یعنی وہ سرمایہ اردو زبان
وہ انیس محترم شاہ سخن

(عبدالرحمن صدیقی)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆